© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد ریاض

تصانیفِ شبلی کا کلامی سلسلہ
اور
علمِ کلام کی تشکیلِ نو

علم کلام، اس علم کا نام ہے جس میں دینی عقائد اور اوامر و نواہی (عبادات اور نظام اخلاق) کی صداقت کی خاطر دلائل دیئے جاتے اور مخالفینِ دین کے اعتراضات و شبہات کا عقل و نقل کی مدد سے جواب دیا جاتا ہے۔

یہ علم الٰہیات کا ایک جزو ہے اور بظاہر تیسری صدی ہجری میں اس علم کی داغ بیل پڑی، جب عباسی خلیفہ مامون الرشید کے عقلیت پسند دور میں محمد بن الہذیل بن عبد اللہ (ابو الہذیل علاف ۱۳۱ - ۲۳۵ ہجری) نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ یہ وہ دور تھا جب یونانی، سریانی اور عبرانی وغیرہ زبانوں کے مآخذِ فکر، عربی میں منتقل کیے جا رہے تھے، خصوصاً کتبِ فلسفہ۔ یہ علم، فلسفے کے منطقی، مخالفانہ جواب دینے کی خاطر وضع کیا گیا تھا اور چونکہ "منطق" کا ایک دوسرا نام "کلام" ہے، اس لیے اس کا نام "علم کلام" پڑ گیا[1]۔ مسلمان مفکرین نے ہر دور میں اس علم پر توجہ مبذول رکھی ہے۔ البتہ مسلمانوں کے ترقی اور انحطاط کے ادوار

---

[1] علم الکلام اور الکلام — مطبوعہ مسعود پبلشنگ ہاؤس کراچی اشاعت اول ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۵ - ۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں لکھی جانے والی کتب کی نوعیت یکساں نہ ہوسکتی تھی۔ اور یہ تفاوت قابلِ توجہ ہے۔
علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) ایک مؤرخ، سیرت نگار، معلم، ادبی محقق، ادیب اور اردو و فارسی کے شاعر تھے، مگر علم کلام کے سلسلے میں بھی حیدر آباد دکن کے قیام کے زمانے میں انھوں نے چند کتابیں لکھیں اور اس علم کی تشکیلِ نو کا احساس دلایا۔ "الغزالی" اور "علم الکلام" ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئیں۔ "الکلام" ۱۹۰۴ء میں چھپی۔ اور "سوانح مولانائے روم" دو سال بعد ۱۹۰۶ء میں۔

امام محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) کو متکلم مانا جاتا رہا ہے مگر مولانا جلال الدین محمد رومی (م ۶۷۲ھ) کے علمِ کلام کو سب سے پہلے شبلی نے مرتب کیا اور اس کے بعد برِّصغیر و ایران وغیرہ کے محققین نے مولانا کی تصانیف کے اس پہلو پر توجہ کی۔

کتاب "علم الکلام" اس علم کی مختصر تاریخ پر مشتمل ہے، جس میں مشہور مکاتب کلام، معروف متکلمین کے حالات و افکار اور اساسی کلامی مسائل سموئے گئے ہیں۔ "الکلام" اس کتاب کا دوسرا حصہ ہے، جس میں نیا علمِ کلام پیش کیا گیا ہے، اس طرح کہ قدیم متکلمین کے افکار کا نئے مسائل اور اعتراضات سے انطباق کیا گیا ہے۔ اس آخری کتاب کے دیباچے میں مولانا شبلی نے لکھا تھا:۔

> "مذہب اسلام تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے:۔ عقائد[۱]، عبادات[۲] اور اخلاق[۳]۔ عقائد میں اصل الاصول دو ہیں:۔ وجودِ باری[۱] اور نبوت[۲]۔ اس کتاب میں ان ہی دو اصولوں سے بحث ہے۔ باقی مباحث تبعاً و ضمناً آگئے ہیں۔ قرآن مجید کا کلامِ الٰہی ہونا، مہماتِ عقائد میں ہے لیکن اس کے لیے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، اس لیے اس حصے میں میں نے اس سے بحث نہیں کی بلکہ اس کو ایک مستقل کتاب کے لیے اٹھا رکھا ہے جو "الکلام" کا دوسرا حصہ ہوگا اور جس کا نام "علوم القرآن" ہوگا۔ عبادات اور اخلاق کا بیان بھی اسی کتاب میں آجائے گا۔ اسی طرح علم کلام کا سلسلہ تین جلدوں میں پورا ہوجائے گا۔ متکلمین کے سوانح عمری اس سلسلے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الگ ہیں"۔[51]

مگر شبلی "یک سرو ہزار سودا" کا مصداق تھے۔ ان کی بیماری و نقاہت، خانگی پریشانیوں، متنوع مشاغل اور کثرتِ موضوعاتِ تحریر کی بنا پر "ہیروز آف اسلام"[52] کے منصوبے کی مانند، کلامی سلسلہ بھی ناتمام رہا۔ ورنہ "الکلام" حصہ دوم (علوم القرآن) کس قدر مایہ ناز کتاب ہوتی!

تصانیف شبلی کے کلامی سلسلے کی ایران اور افغانستان میں خاصی قدر و منزلت رہی ہے، "الغزالی" جزوی طور پر فارسی میں منتقل[53] ہوئی۔ دیگر مذکورہ کتابیں اور شبلی کے بعض فکر انگیز مقالوں کے ترجمے[54] کئی بار طبع ہو چکے اور ان ممالک کے درسی نصاب میں بھی شامل رہے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں معاصر دور میں مولوی چراغ علی (م ۱۸۹۵ء)، سرسید احمد خاں (م ۱۸۹۸ء) اور علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) نے خصوصاً نئے کلامی مسائل[55] اٹھائے اور تعلیمات اسلام کی نئی تعبیرات و تاویلات پیش کیں۔ ان نو معتزلیوں کے مقابلے میں شبلی خاصے "سلفی" تھے، گو وہ بھی کبھی کبھار تو اعتزالی میدان میں وارد[56] ہوتے رہے، غالباً اسی لیے علم کلام کی تشکیلِ نو کے ضمن میں ان کی مساعی پر بہت کم توجہ کی گئی ہے۔

---

[51] علم الکلام و الکلام صفحہ ۱۵

[52] دیکھیے المامون حصہ اول و دوم (مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۲ء) صفحہ ۱۲-۱۳ - شبلی نے حضرت عمر فاروقؓ، خلیفہ ولید بن عبدالملک، مامون الرشید عباسی، عبدالرحمٰن اندلسی، سیف الدولہ بنو حمدانی، ملک شاہ سلجوقی، نور الدین محمود زنگی، صلاح الدین ایوبی، یعقوب موحدی اندلسی اور سلطان اعظم عثمانی، کی سوانح عمریاں لکھنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

[53] ماہنامہ آموزش و پرورش تہران شمارہ ۷-۸-۱۱-۱۲ سال ۱۳۱۸ شمسی ۱۹۳۹ء

[54] ایضاً شمارہ ۸-۹-۱۰ سال ۱۳۱۷ اور شمارہ ۳ سال ۱۳۱۸ شمسی کتب خانہ اسکندریہ مجموعہ ۳ مقالہ علامہ شبلی، شعر العجم - سب کتب و مقالات کے مترجم سید محمد علی فخر داعی گیلانی مرحوم ہیں۔ الفاروق کا فارسی ترجمہ ۱۹۳۴ء میں افغانستان سے شائع ہوا تھا۔ [55] دیکھیے ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کی موجِ کوثر اور اقبال کا علم کلام مجموعہ مقالات یوم اقبال (لاہور میں ۱۹۳۸ء) [56] دیکھیں حیاتِ شبلی (اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء) صفحہ ۸۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شبلی ایک ترقی پذیر مصنف تھے اور اپنی تکمیل یافتہ تالیفات پر انھیں چنداں ناز نہ تھا۔ علم الکلام اور الکلام میں انھوں نے ہزار سالہ مباحث اور صدہا مصنفین کے افکار کو دل آویز، فصیح و بلیغ اور موجز انداز میں سمو ڈالا[1] مگر وہ ان کتب کو ناقص اور نا تمام مانتے تھے[2] لوگوں نے بھی ان میں طرح طرح کے نواقص ڈھونڈنے کی سعی کی۔ بعض نے اسے "اشعری کلام" کا مجموعہ، اور اس جھنجھٹ کو ان کی دیگر تصانیف میں مخل جانا[3] کئی حضرات اس میں ماتریدی (حنفی) عقائد کی کمی بتاتے ہیں[4] نواقص تو ہر کتاب میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ خود علم کلام میں بھی تکامل[5] کہاں ہے؟

مگر حقیقت یہ ہے کہ "علم الکلام" اور "الکلام" اپنے موضوع پر قابلِ قدر تالیفات ہیں۔ اردو اور فارسی میں خالصۃً اس موضوع پر کوئی دوسری تصنیف موجود نہیں۔

فارسی میں عصر حاضر میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں نقلِ اقوال ہیں اور بس۔ جبھی فارسی زبانوں کے ہاں شبلی کے کتابوں کے فارسی ترجمے کی اس درجہ منزلت و اہمیت ہے۔ عربی زبان میں اگر کلامی مسائل پر کوئی فکر انگیز کتاب موجود ہو، تو ہمیں اس کا علم نہیں۔

شبلی کی چاروں کلامی کتابوں کی اہمیت اس میں ہے کہ انھوں نے نقلِ قول پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ متعدد مقامات پر متکلمین میں سے بعض کی آراء کو بعض پر ترجیح دی اور کوئی موارد میں دوسروں کی آراء کو رد کر کے اپنی رائے دی ہے۔[6] ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۸ء کی شائع شدہ بعض کتابوں کے حوالے دے کر انھوں نے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ وہ قدیم و جدید

---

[1] ملاحظہ ہو سعید انصاری کی رائے "ادیب" علی گڑھ کے شبلی نمبر میں۔ منقولہ یادگار شبلی (اکرام) لاہور صفحہ ۲۶۱

[2] یادگار شبلی صفحہ ۲۶۰ بحوالہ مکتوب بنام حمید الدین (شبلی کے ایک ماموں زاد بھائی)

[3] عبد العزیز کمال کا مقالہ: شبلی ایک مثالی مصنف ماہنامہ ادبی دنیا لاہور جنوری ۱۹۶۷ء صفحہ ۲۹

[4] حیات شبلی صفحہ ۳۷۳

[5] "علم الکلام" و "الکلام" صفحہ ۱۲۰ - ۱۲۱

[6] ایضاً صفحہ ۲۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلامی تصانیف سے آگاہ تھے۔ مگر انھوں نے اخذ واقتباس اور موازنے کی خاطر صرف فکر انگیز اور آزادانہ تحقیق کی حامل کتابوں کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ فرماتے ہیں :

".... اس قسم کی کوئی تصنیف اردو بلکہ عربی و فارسی میں بھی موجود نہ تھی۔ میں نے ابتدائے زمانۂ تصنیف سے اپنی تصنیفات کا موضوع تاریخ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اب تک جو چیزیں میرے قلم سے نکلیں اور شائع ہوئیں وہ تاریخی ہی تھیں۔ اس بنا پر یہ میرے دائرے سے خارج تھا۔ علم کلام کی تاریخ لکھنے سے ایک طرف تو اسلامی لٹریچر کی ایک بڑی کمی پوری ہوتی ہے، دوسری طرف یہ تصنیف جو درحقیقت، علم کلام کی تاریخ ہے، تاریخ کے دائرے میں آجاتی ہے۔ اور میں اپنی حد سے تجاوز کرنے کا گناہگار نہیں رہتا.... حال میں علم کلام سے متعلق مصر، شام اور ہندوستان میں متعدد کتابیں تصنیف کی گئی ہیں اور نئے علم کلام کا ایک دفتر تیار ہوگیا ہے[۵] لیکن یہ نیا علم کلام دو قسم کا ہے :۔ یا تو وہی فرسودہ اور دور از کار مسائل اور دلائل ہیں جو متاخر اشاعرہ نے ایجاد کیے تھے، یا یہ کیا ہے کہ یورپ کے ہر قسم کے معتقدات اور خیالات کو حق کا معیار قرار دیا ہے اور پھر قرآن و حدیث کو زبردستی کھینچ تان کر ان سے ملا دیا ہے۔ پہلا گویا تقلید ہے اور دوسرا تقلیدِ اجتہاد ہے۔ اس لیے میں نے ان تصنیفات سے بالکل قطع نظر کی ہے۔"

مولانا شبلی فرانسیسی ماخذ سے براہِ راست استفادہ کرتے تھے۔ انگریزی منابع میں ان کے معاون مولوی حمید الدین (ان کے ماموں زاد) تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے بعض باتوں کے ضمن میں ایک مصری مصنف فرید وجدی بک کی عربی کتاب کو پیش نظر رکھا (دیکھیے علم الکلام و الکلام صفحہ ۱۰۸) جس سے ان کے بعض حوالوں اور نتیجہ گیریوں میں تسامحات در آگئے۔ اسی طرح شعر العجم کی بعض سوانحی اغلاط کی وجہ دولت شاہ سمرقندی کا تذکرۃ الشعراء نظر آتا ہے)۔ بہر صورت

---

۵ علم الکلام و الکلام صفحہ ۱۷ اور ۱۹ بالترتیب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے کورانہ تقلید اور تقلیدی اجتہاد سے دامن بچانے کی کوشش ضرور کی۔ مگر غیر معمولی[1] متجدد بننے کی کوئی سعی نہیں کی۔ انھوں نے اُردو میں ایک نئے موضوع کا اضافہ کیا۔ مگر بقول ڈاکٹر سید عابد حسین، "قدیم میں کوئی ترمیم نہ کی صرف تاویلِ نو پر اکتفا کیا[2]" نئے علم کلام کی ضرورت اور دینِ اسلام کے خلاف نئے مبارزات و محاذات کے ضمن میں لکھا ہے :

"..... دولتِ عباسیہ میں جب یونان و فارس کے علمی ذخیرے، عربی زبان میں آئے اور تمام قوموں کو مذہبی مباحثات و مناظرات میں عام آزادی دی گئی تو اسلام کو ایک بڑے خطرے کا سامنا پیش آیا۔ پارسی عیسائی، یہودی اور زنادقہ ہر طرف اُٹھ کھڑے ہوئے اور فتوحاتِ اسلام کے آغاز میں ان کو جو صدمہ، اسلام کی تلوار سے پہنچ چکا تھا، اس کا انتقام قلم سے لینا چاہا۔ عقائد و مسائل اسلام پر اس آزادی اور بے باکی سے نکتہ چینیاں کیں کہ ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے اعتقاد متزلزل ہو گئے۔

..... عباسیوں کے زمانے میں اسلام کو جس خطرے کا سامنا ہوا تھا، آج اس سے کچھ بڑھ کر اندیشہ ہے۔ مغربی علوم گھر گھر پھیل رہے ہیں اور آزادی کا یہ عالم ہے کہ پہلے زمانہ میں حق کہنا اتنا سہل نہ تھا جتنا آج ناحق کہنا۔ مذہبی خیالات میں عموماً بھونچال سا آگیا ہے۔ نئے تعلیم یافتہ بالکل مرعوب ہو گئے ہیں۔ اور قدیم علماء عزلت کے دریچے سے کبھی سر نکال کر دیکھتے ہیں تو مذہب کا افق غبار آلود نظر آتا ہے ..... قدیم علم کلام کا جو حصہ

---

[1] جیسے سید علی عباس جلال پوری کی تالیف، اقبال کا علم کلام مطبوعہ مکتبہ فنون لاہور ۱۹۷۳ء (یہ دراصل اس سے دس گیارہ سال قبل ماہنامہ ادبی دنیا لاہور میں شائع شدہ مقالات کا مجموعہ ہے) اس میں اقبال کے علم کلام کو رجعت پسندانہ بتایا گیا اور ان کے مفکر و فلسفی ہونے کی تردید کی گئی ہے۔

[2] مولانا شبلی کا مرتبہ ادب میں - از عبداللطیف اعظمی مطبوعہ شبلی اکادمی قرولباغ دہلی ۱۹۴۵ء - صفحہ ا پیش لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> آج بیکار ہے، پہلے بھی ناکافی تھا اور جو حصہ اس وقت بکار آمد تھا آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کیونکہ کسی شئے کی صحت اور واقفیت، زمانہ کے امتداد و انقلاب سے نہیں بدلتی۔ اس بنا پر مدت سے میرا ارادہ تھا کہ علم کلام کو قدیم اصول اور موجودہ مذاق کے موافق مرتب کیا جائے۔" ؎۱

یہ اقتباس شبلی کے طریق کار کو سمجھنے کے لیے کافی ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ انیسویں بیسویں صدیوں کے علم کلام دیگر لکھنے والوں، مثلاً سرسید احمد خاں اور اقبال اور شبلی کے طریق کار میں کیا فرق تھا۔ سرسید کی بیشتر توجہ عقلی قیاسات اور سائنسی علوم کے انکشافات سے علم کلام کو ہم آہنگ کرنے پر مبذول رہی۔ اور اقبال کو اعتقادات اور ایمانیات کے عملی پہلوؤں سے دلچسپی تھی، ورنہ مناظرانہ مباحث ان کے نزدیک "ایک قسم کی خواب آور قوالی ہے" ؎۲

؎۱ علم الکلام اور الکلام صفحہ ۱۵-۱۶

؎۲ سرسید احمد خاں کے کلامی افکار کی خاطر ملاحظہ ہو حالی کی حیاتِ جاوید میں تبیین الکلام، ابطالِ غلامی، رسالہ طعام اہلِ کتاب، خطباتِ احمدیہ اور تفسیر القرآن پر بحث۔ اقبال کے کلامی افکار تشکیلِ الٰہیاتِ جدید، جاوید نامہ، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں ؎

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی،
آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلۂ علم کلام
آہ اس راز سے واقف ہے نہ مُلّا، نہ فقیہ
وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
(ضرب کلیم)

طبعِ مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی، ورنہ قوّالی سے کچھ کمتر نہیں علم کلام،
کیا مسلمانوں کے لیے کافی نہیں اس دور میں یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات؟
(ارمغانِ حجاز)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شبلی کی کُتبِ کلامیہ کی محتویات

خاص علم کلام کے ضمن میں شبلی نے "علم الکلام" اور "الکلام" لکھیں۔ لیکن الغزالی اور سوانح مولانائے روم بھی اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں کتابوں خصوصاً الغزالی کا پرتو ان کی خاص مذکورہ کتابوں میں بھی نظر آتا ہے۔ الغزالی پہلے لکھی جا چکی تھی، اس لیے علم الکلام میں اس کتاب کے حوالے اور اشارے ہی نہیں، مشترک موضوع بھی ہیں، مثلاً امام محمد غزالی کے بعض کلامی افکار کو لوگوں نے امام ابوالحسن اشعری (م ۳۲۴ھ) کے افکار سمجھ لیا اور غزالی کے مخالفِ اشعریاں خیالات، اشعری عقائد مانے جانے لگے تھے۔ شبلی نے اس امر کو الغزالی[1] اور علم الکلام[2] دونوں میں لکھا ہے۔ سوانح مولانائے روم اگرچہ چند سال بعد لکھی گئی، مگر علم الکلام اور الکلام ذکرِ رومی سے خالی نہیں۔ الکلام میں نبوت کی تصدیق، شریعت اور عقل کی مطابقت اور عالمِ محسوسات کے بارے میں[3] بحث کے ضمن میں مثنوی رومی کے اقتباسات مع توضیح منقول ملتے ہیں۔ اور شبلی رُومی کو "عظیم راز دانِ شریعت" کا لقب دیتے ہیں۔

کتاب "علم الکلام" کی ابتدا میں علم کلام کے وجود میں آنے کے اسباب اور اختلافِ عقاید اور ان کی وجوہ سے بحث ہے۔ اس کے بعد شواہد اور منقولات کے ساتھ، علم کلام کے عروج و زوال کی داستان ملتی ہے۔ تحریر، تقریر اور بحث و مناظرہ کی آزادی کے ادوار میں اس علم کو عروج ہوتا رہا۔ مگر استبداد و تحکم کے ازمنہ میں لوگ اظہارِ عقائد نہ کر سکے۔ شبلی نے گو اسپین اور ہند میں (حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ذکر کے ذریعے) علم کلام کے رجحانات کا مختصر ذکر کیا، مگر ان کے مباحث کا بیشتر حصہ عرب ممالک اور ایران کے علماء کی سرگرمیوں کے لیے وقف رہا ہے۔ انھوں نے تاریخی طور پر علم کلام کی ترقی کو تین ادوار میں منقسم کیا ہے۔

---

[1] الغزالی (عرفان پبلشرز، صدر بازار لاہور کینٹ (سال ندارد) صفحہ ۱۶۷

[2] علم الکلام اور الکلام صفحہ ۵۸

[3] ایضاً صفحہ ۲۲۹ اور ۳۰۲ تا ۳۰۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) از عہد عباسیہ تا قرن پنجم ہجری - جس میں اشاعرہ و معتزلہ کے عقائد کا رواج ہوا -

(۲) اشعری عقائد کے عروج کا دور - جس میں امام محمد غزالی، محمد بن عبدالکریم شہرستانی (م ۵۴۸ھ)، امام محمد بن عمر فخرالدین رازی (م ۶۰۶ھ) علامہ ابوالحسن علی سیف الدین آمدی (م ۶۳۱ھ) اور مولانا جلال الدین محمد رومی جیسے باکمال پیدا ہوئے - جنھوں نے علم کلام کو بام عروج تک پہنچایا - (شبلی نے ماتریدی علم کلام، یعنی حنفیوں کے خاص عقائد پر، جو امام محمد ماتریدی سمرقندی (متوفی ۳۳۳ھ) سے منسوب ہیں، مختصر لکھا ہے) ان حضرات نے ملاحدہ، باطنیہ اور فلاسفہ کے گروہوں کے خلاف اسلام عقائد کا دفاع کیا ہے -

(۳) چھٹی سے بارہویں صدی ہجری کا متاخرین کا دور - جس میں ابن رشد اندلسی (م ۵۹۵ھ)، امام احمد بن تیمیہ[۱] حرانی (م ۷۲۸ھ) اور شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے خصوصاً نئے مسائل کی طرف توجہ کی - اور عقائد اسلام کی نئی تعبیرات پیش کیں -

یوں تو شبلی نے مذکورہ بالا سارے مصنفین کا ذکر کیا اور ان کی تصانیف سے حوالے دیئے مگر امام غزالی اور امام رازی کا ذکر سب سے زیادہ ہے - اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ کے اقوال و فرمودات کا درجہ آتا ہے - الغزالی کی تصنیف کے ضمن میں شبلی نے امام موصوف کی اکثر کتابیں حاصل کر رکھی تھیں - چودہ کتابوں کا ذکر انھوں نے اپنے فہرست مآخذ میں کیا ہے مگر امام رازی کی چار کتابوں کے انھوں نے حوالے بھی دیئے ہیں -

"علم الکلام" میں حکمائے اسلام یعنی فلسفی متکلمین کا ذکر بھی ہے - اس حصے میں انھوں نے ابو یوسف یعقوب الکندی (م ۲۵۸ھ تقریباً)، ابو النصر محمد فارابی (م ۳۳۹ھ)، احمد بن مسکویہ (م ۴۲۱ھ)، شیخ بو علی ابن سینا (م ۴۲۸ھ) اور شیخ اشراق شہاب الدین مقتول (م ۵۸۷ھ) کے وجود باری اور حقیقت روح و وحی کے بارے میں متکلمانہ اور فلسفیانہ افکار سے بحث کی ہے

---

[۱] عجیب اتفاق ہے کہ شبلی اور حالی نے علیحدہ علیحدہ امام ابن تیمیہ پر مقالے لکھے، لیکن دونوں کے مقالے ناتمام ہیں - دیکھیے مقالات حالی جلد اول اور مقالات شبلی جلد ۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلچسپ تبصرے

شبلی ایک نکتہ سنج مورخ تھے، اس لیے "علم الکلام" میں انھوں نے 'نقد و نظر' کا فریضہ بھی جابجا ادا کیا ہے۔

ایک جگہ (صفحہ ۲۵) لکھتے ہیں کہ بعض عقائد مثلاً جبر و قدر میں اختلاف "سیاسی" وجوہات کی بنا پر ہوا کیونکہ بنو امیہ خصوصاً حجاج بن یوسف کے سفاکانہ عہد میں عمال امنّا بالقدرِ خیرہٖ و شرّہٖ کا خوب ورد کرایا کرتے تھے۔

علمِ کلام کے ناقص رہ جانے کی ایک وجہ وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ تکفیر و تعذیب کے ڈر سے متکلمین برملا بات نہ کر سکتے تھے اور ترک حکومتوں میں تو جان کا ڈر بھی رہتا تھا۔ چنانچہ امام محمد غزالی نے بعض کتابوں میں جو عوام کی خاطر لکھیں، کچھ اور لکھا اور خواص کی خاطر لکھی جانے والی کتابوں میں کچھ اور (کتاب مذکور صفحہ ۵۱، ۱۲۰ اور الکلام صفحہ ۲۸۸)

علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) نے مقدمۃ التاریخ میں لکھا ہے کہ امام غزالی کے عہد تک علم کلام میں فلسفے کی آمیزش نہ تھی اور غزالی نے ان دونوں علوم کو مخلوط کیا۔ شبلی اس بیان کی تردید کرتے ہیں اور اس سے قبل کی آمیزش کا حال (صفحہ ۴۱) بیان کرتے ہیں۔

شبلی شاہ ولی اللہ دہلوی کو سب سے بڑا متکلمِ اسلام مانتے ہیں (صفحہ ۸۷)۔ کیونکہ انھوں نے احکام و اوامرِ اسلام کی حقانیت سمجھائی ہے۔ حالانکہ ان کے عہد تک دُوسروں نے صرف "عقائد" کے دفاع میں زور صرف کیا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علمِ کلام یونانی فلاسفہ کے افکار کے زیرِ اثر وجود میں آیا۔ شبلی اس بیان کی بادلائل تردید کرتے ہیں۔ البتہ شبلی لکھتے ہیں کہ بعض متکلمین نے یونانی افکار سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ یونانی زبان سے واقف نہ تھے۔ اور عربی تراجم میں کئی اغلاط نے انھیں صحیح استنتاج نہ کرنے دیا۔ ان اغلاط کی مثالیں: افلاطون کا عالم مثال، افلاطون اور ارسطو کا منکر جزا و سزا ہونا، انکارِ معجزات، عقل فعال کی تخلیق اول اور خدا کا موجود بالذات ہونا وغیرہ ہے۔ (دیکھیے فارابی، ابن سینا اور ابن رشد کی ابن سینا پر تنقید از صفحہ ۱۲۴ تا ۱۲۷)

شبلی نے متاخر متکلمین کی بعض غلطیاں گنوائی ہیں کہ انھوں نے فلسفیانہ مسائل کو عقائد اسلام جان لیا مثلاً یہ بات کہ صفاتِ باری، عینِ باری نہیں اور خُدائے قدیم کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حادث[1] کا قیام ممکن نہیں۔(صفحہ ۱۴۳) یا یہ امر کہ کلام باری واحد محض ہے، اس میں کثرت نہیں۔ وغیرہ

علم کلام کی افادیت پر شبلی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"علم کلام کا یہ احسان ہمیشہ یادگار رہے گا کہ اس کی بدولت یونانیوں کی غلامی سے آزادی ملی۔ یونانی فلسفے نے دنیا میں اس قدر رواج وقبول حاصل کیا تھا کہ اس کے مسائل وحی کی طرح تسلیم کیے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی ان کے فلسفہ کو اسی نگاہ سے دیکھا اور ارسطو و افلاطون کو علم کا دیوتا سمجھے۔ فارابی سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو ارسطو سے کیا نسبت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "میں اگر ارسطو کے زمانے میں ہوتا تو اس کا ایک لائق شاگرد ہوتا" بوعلی سینا نے 'شفا' میں ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے کہ "اتنا مدید زمانہ گزر چکا، لیکن ارسطو کی تحقیقات پر ایک ذرہ برابر اضافہ نہ ہوسکا" یونانیوں کی یہ حلقہ بگوشی اس وقت تک قائم رہی جب تک علمائے کلام نے فلسفہ کو نکتہ چینی کی نگاہ سے نہیں دیکھا" (صفحہ ۱۱۸)

الکلام ایک قابلِ قدر کتاب

"الکلام" جیسا کہ اُوپر اشارہ ہوا، قدیم علمِ کلام کی جدید تعبیر پر مشتمل ہے، اس میں مذہب کی ضرورت، دینِ اسلام کا دیگر ادیان سے موازنہ اور اس کی برتری، وجودِ باری، نبوّت کی ضرورت اور حقیقت، خرقِ عادت و معجزہ، جزا وسزا، جبر وقدر، رسالتِ نبی خاتم[2]

---

[1] اقبال بھی یہی فرماتے ہیں، مثلاً ارمغانِ حجاز کے یہ اشعار ؎

ابنِ مریم مرگیا یا زندۂ جاوید ہے؟
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جُدا یا عینِ ذات؟
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم؟
اُمتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بعض اسلامی تعلیمات کا بیان ہے۔ مثلاً اسلام کا تصور مساوات، عورتوں کے حقوق، وراثت کا حیرت انگیز اصول، حمایتِ اسلام برائے تمدنی و سائنسی ترقی، بے تعصبی، عقبیٰ و دُنیا کا تعادل اور یہ عقیدہ کہ اچھا مآل فضلِ خدا ہے، وغیرہ۔ شبلی ایسے قادر کلام اور سحر نگار مصنف نے ان موضوعات کو خوب نبایا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے بارے میں ان کے مختصر بیانات تاثیر کے اعتبار سے کئی دفاتر پر بھاری نظر آتے ہیں۔

کتاب بے حد دلچسپ انداز میں لکھی گئی ہے[۵]۔ آغاز میں (صفحہ ۱۶۲-۱۶۳) شبلی بتاتے ہیں کہ سائنس اور اسلام میں کوئی تصادم نہیں بلکہ بعض لوگ سائنس سے مرعوب ہو کر، خواہ مخواہ اسلام کی سائنسی تعبیر کر رہے ہیں۔ حالانکہ سائنسی تجربات اور انکشافات رُو بہ تغیر رہے ہیں۔ اسی طرح عقل و دین میں تباین نہیں۔ مگر ضروری نہیں کہ ہر کسی کی عقل، دینی حقائق کا پورا ادراک کر سکے۔ کتاب کا معتدبہ حصہ وجودِ باری اور نبوت کے اثبات کے دلائل میں وقف ہے۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ذکر کرتے ہوئے "سیرت النبیؐ" کا یہ قابل مصنف لکھتا ہے:۔

"نبی کی حقیقت جیسا کہ اوپر بیان ہوگا، اجزائے ذیل سے مرکب ہے:۔ خود کامل ہو، دُوسروں کو کامل کر سکتا ہو اور اس کے علوم و معارف اکتسابی نہ ہوں بلکہ منجانب اللہ ہوں۔ یہ تمام باتیں جس کمال کے ساتھ آپؐ کی ذات مبارک میں موجود تھیں۔ کیا ابتدائے آفرینش سے آج تک اس کی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟ غور کرو، وہ شخص جس نے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو، جس نے آنکھ کھولا کر اپنے گرد و پیش بُت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو، جس کے کانوں میں ناقوس کے سوا اور کوئی آواز نہ آئی ہو

---

[۵] دیکھیے مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم کی رائے: شبلی ایک دبستان۔ مرتبہ ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی میں اداریہ شبلی صفحہ ۱۷۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جس نے ہدایت، اخلاق، اصول معاشرت اور قانون تمدن کے متعلق ایک حرف بھی کسی سے نہ سنا ہو، وہ دفعتہً منظرِ عام پر آئے اور ایک طرف تو فلسفۂ اخلاق، تزکیۂ روح، الہیات، معاد، قانونِ معاشرت اور اصولِ تمدن کے وہ دقائق اور نکات بتائے جو کسی حکیم، کسی فلسفی، کسی مقنن اور کسی پیغمبر نے کبھی نہیں بتائے تھے اور دوسری طرف تمام قوم کی قوم تھی، جو اس وقت جہالت و وحشت، جور و ظلم، فسق و فجور اور سفاکی و خونریزی میں ڈوبی ہوئی تھی، پاکیزہ اخلاق اور سچائی کی وہ روح پھونک دے کہ دفعتہً ان کی کایا پلٹ جائے، یہ بجز محمد رسول اللہ کے اور کون ہو سکتا ہے؟"[۵۱]

جبر و قدر کی بحث یعنی انسان مجبور ہے کہ مختار؟ ایک ناتمام بحث رہی ہے۔ دراصل انسان کی راہ جبر و قدر کے بیچ میں ہے یعنی وہ کچھ مجبور ہے اور کچھ مختار بھی۔ شبلی نے اس سلسلے میں ایک ضمنی بحث کے دوران وہ بات کہی ہے جسے بعد میں علامہ اقبال نے بزبانِ شعر[۵۲] بیان کیا ہے۔

"عیسائی اکثر طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں جو کاہلی اور پست ہمتی پائی جاتی ہے، وہ اسی مسئلۂ قضا و قدر کا اثر ہے اور اس لیے مسلمانوں کا تنزل خود ان کے مذہب کا لازمی نتیجہ ہے۔"

اس اعتراض کو اگرچہ ہمارے توکل پیشہ علماء اور صوفیہ نے اپنے طرزِ عمل سے قوی کر دیا ہے

---

۵۱ علم الکلام اور الکلام صفحہ ۲۸۲

۵۲ جاوید نامہ، فلک مشتری سے

جبر دینِ مردِ صاحب ہمت است ‏ ‏ جبرِ مردان، از کمالِ قوت است

پختہ مردے، پختہ تر گردد ز جبر ‏ ‏ جبر مردِ خام را آغوشِ قبر

جبرِ خالدؓ عالمے برہم زند ‏ ‏ جبرِ ما بیخ و بنِ ما بر کند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن درحقیقت یہ اعتراض باطل ہے۔ اس کا صرف جواب تو یہ ہے کہ یہی قضا و قدر کا اعتقاد تھا جس کی بدولت صحابہؓ میں سے ایک ایک شخص ہزاروں آدمیوں کے دل میں گُھس جاتا تھا اور سینکڑوں کو خاک میں ملا کر صحیح و سلامت نکل آتا تھا۔ اگر آج اسی جوہر کو ہمارے علماء و صوفیہ اپنی شکستہ پائی اور کاہلی کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور؟

تحقیقی جواب یہ ہے کہ شریعتِ اسلام نے انسان کو مختارِ کُل قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی اس بات کی بھی احتیاط کی ہے کہ یہ اعتقاد الحاد کی حد سے نہ مل جائے۔

شبلی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے تنزل کا سبب اسلام نہیں بلکہ ترکِ اسلام ہے۔ یہ بات انھوں نے اپنے اردو اور فارسی اشعار میں بھی بیان کی ہے۔[۵۱] اسلام دین و دنیا میں ایسا تعادل کا حامی ہے کہ "قرآن مجید نے ۲۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے، ۲۱ جگہ اس کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ۱۲ جگہ حَسَنَہ کہا ہے اور ۱۲ جگہ اس کو رحمت کا لقب دیا گیا ہے"۔ (صفحہ ۳۲۶) لیکن "دولت کی مقدار جس قدر زیادہ افراد میں تقسیم ہو کر پھیلے، اسی قدر زیادہ مفید ہے۔ متمدن اور وحشی ممالک میں یہی چیز ممیز اور فارق ہے۔ اور اس اصول کا لحاظ صرف اسلام کے قواعدِ وراثت میں پایا جاتا ہے"۔ (صفحہ ۲۶۹)

دین و دنیا کے باہمی تعلق کے زیرِ عنوان شبلی نے لکھا ہے کہ "اسلام، رہبانیت یا ترکِ دُنیا کا حامی نہیں"۔ البتہ "قرآن مجید نے مختلف موقعوں پر دولت و مال کی بُرائی بھی بیان کی، لیکن جب دونوں قسم کے موقعوں کا موازنہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ جس دولت

۵۱۔ ایک اردو نظم میں مسلمانوں کے معاشرتی عیوب بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

ان حقائق کی بناء پر سبب پستیِ قوم ترکِ پابندیِ اسلام ہے، اسلام نہیں

(کلیاتِ شبلی - اردو - اعظم گڑھ، طبع سوم ۱۹۴۲ء صفحہ ۵۰)۔ فارسی میں میرا مرتبہ کلیاتِ فارسی شبلی (مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد)۔ کم ذریعے سے دیکھیں ان کا ترکیب بند جو ندوۃ العلماء کے اجلاس منعقدہ امرتسر بموقع ۱۹۰۲ء کو پڑھا گیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال کی برائی بیان کی ہے وہ وہ ہے کہ ناجائز طریقہ سے یا بے موقع اور بے ضرورت کیا جائے، اور اس کی برائی سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟" (صفحہ ۳۲)

انتقاد علم الکلام اور الکلام میں شبلی کی دیگر کتابوں کی مانند منطقی ترتیب نظر نہیں آتی۔ عقائد لکھتے لکھتے وہ اخلاق کی طرف آجاتے ہیں۔ عبادات کی بحث بہت معمولی ملتی ہے۔ بعض باتوں کے بارے میں انھوں نے ابتدا میں اشارہ کیا ہے، (مثلاً الکلام میں ابطالِ غلامی اور تعددِ ازواج)[۱] مگر موقع پر ان موضوعات کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ انھوں نے ملاحدہ اور منکرینِ خدا و اسلام کے اعتراضات کا لاطائل طومار جمع کیا اور ان کے اعتراضات کے بعض موارد میں ضعیف جوابات پیش کیے ہیں۔ اس ترتیب کار کی آج کل ضرورت ہی نہ تھی۔ آج کل ایسے اعتراضات و جوابات کی طرف کس کی توجہ ہے۔ الکلام کا اختتام، دو ضمائم پر ہے۔ یہ نبوت کے بارے میں امام غزالی کی معارج القدس اور امام رازی کے رسالہ مطالب العالیہ کے طویل عربی اقتباسات ہیں، جن کی تلخیص اردو میں پیش کردی گئی ہے۔ امام رازی کی ایک فارسی کتاب "براہین[۲] در علم کلام" الہیات پر عمدہ کتاب ہے۔ مگر یہ اب منصۂ شہود پر آئی ہے۔ "علم الکلام" اور "الکلام" اس کے ذکر سے خالی ہیں بہر صورت شبلی کی ان کتابوں کے وہ حصے جن میں اشعری، اعتزالی اور حکماء کے مسالک

---

[۱] الکلام، ابتدائیہ (علم الکلام والکلام صفحہ ۱۶۰) :-

"..... یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابلِ اعتراض نہیں جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں۔ ان کے نزدیک تعددِ نکاح، طلاق، غلامی اور جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا، اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس بنا پر 'علم کلام' میں اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنی ہوگی اور یہ حصہ بالکل نیا علم کلام ہوگا۔"

مگر یہ یاد رہے کہ ابطالِ غلامی اور حقیقتِ جہاد پر اچھی اچھی کتابیں موجود ہیں اور تعددِ نکاح کی اجازت تو مشروط بہ انصاف و عدل ہے۔ [۲] مطبوعہ تہران یونیورسٹی جلد ۱ سنہ ۱۳۴۱ شمسی ۱۹۶۲ء اور جلد ۲ سنہ ۱۳۴۳ شمسی ۱۹۶۴ء -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا موازنہ کیا گیا ہے، یا جن مقامات پر تعلیماتِ اسلام کی منفرد جھلک دکھائی گئی ہے (جیسے خالص توحید)، وہ بے حد دل آویز ہیں۔ مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو شبلی اگر جدید علم کلام کی تشکیل نو نہ کرسکے ہوں تو بھی ایسا کرنے کی ضرورت کا احساس دلا گئے۔

کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد !

اب اس کام کی شائستگی رکھنے والے فضلاء کا کام ہے کہ وہ مُفید تر علم کلام اور فقہ وغیرہ کی تشکیلِ جدید کی طرف مُتوجّہ ہوں۔

اِلهام الرحمٰن فی تفسیر القرآن

من أمالی

الأستاذ عبید الله السندی

ألجُزءُ الثّانی ،

قیمت : آٹھ روپے

ملنے کا پتہ

شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر - حیدرآباد سندھ

© rasailojaraid.com